اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (الحدیث)

مطبوعہ ۱۴۰۶ھ

محبّت کا سودا

مع تکملہ و اضافہ جدیدہ ۱۴۱۸ھ

حضرت اقدس صوفی محمد اقبال صاحب مہاجر مدنی دامت برکاتہم

خلیفۂ ارشد

قطب الاقطاب، صاحبِ سرّنبی، شیخ الحدیث حضرت

مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نوّر اللہ مرقدہٗ و اعلی اللہ مراتبہ العلیا

ناشر:

مکتبۂ یوسفیہ

نزد دار التصنیف جامعہ علوم اسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن

کراچی — ۷۴۸۰۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محبت کا سودا

مع تکملہ واضافہ جدیدہ

حَضرت اقدس صُوفی **مُحمّد اقبَال** صَاحب (مدنی)

خَلیؒفہ ارشَد

قطب الاقطاب صَاحبِ سِرّ نبی، شیخ الحَدیِث حَضرت مَولانا

محمّد ذکریّا مُہاجر مَدنی نوّر اللہ مرقدہٗ واعلی اللہ مرتبہ العُلیا

معاونت خصوصی برائے ترتیب و کمپوزنگ

حضرت جناب **آفتاب احمد** (مدینہ منورہ)

ترتیب و کمپوٹر کمپوزنگ: محمد نور باری

مکـــتبہ اقبـالیہ

نور حراء پبلیشرز

ای میل: noorbari786@gmail.com فون: 0092-312-2502281

٤ شعبان المعظم ١٤٤٣

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (الحدیث)

مطبوعہ ۱۴۰۶ھ

محبت کا سودا

مع تکملہ و اضافہ جدیدہ ۱۴۱۸ھ

حضرت اقدس صوفی محمد اقبال صاحب مہاجر مدنی دامت برکاتہم

خلیفۂ ارشد

قطب الاقطاب صاحب سرّ نبی، شیخ الحدیث حضرت

مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نوّر اللہ مرقدہ و اعلی اللہ مراتبہ العلیا

—: ناشر :—

مکتبہ یوسفیہ

نزد دار التصنیف جامعہ علوم اسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن

کراچی — ۷۴۸۰۰

نام کتاب   محبّت کا سودا

مصنّف   حضرت صوفی محمد اقبال صاحب مدنی مدظلّہ

باھتمام :-   صغیر احمد خانقاہ دار الاحسان امدادیہ چشتیہ
احسان منزل، مسجد احسان، امیر معاویہ روڈ
راج گڑھ، لاہور

ناشر :- مکتبہ یوسفیہ، نزد دار التصنیف علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محبّت کا سودا

حضرت اقدس صوفی محمد اقبال صاحب دامت برکاتہم

خلیفہ راشد

قطب الاقطاب، صاحب سرنبی، شیخ الحدیث حضرت مولانا

محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ واعلی اللہ مراتبہ

بازارِ عشق و سوقِ محبت کے جاں فروش
لپکیں کہ چل چلاؤ ہے دنیائے دون کا
سیکھیں طریقِ وصل و لقائے خدائے پاک
دل بیچ کر خرید لیں سودا جنون کا

حامداً و مصلیاً و مسلماً۔ بعد حمد و صلوٰۃ کے ناظرین پر واضح ہو کہ یہ تحریر کوئی علمی و ادبی مضمون نہیں ہے، بلکہ ایک معاملہ کی اور ایک سودے کی بات ہے اور ایک تہی دست داعی کی آواز ہے، جس کی آواز پر کوئی توجہ نہیں کیا کرتا۔ خاص کر جب محبت کا سودا ہو تو اشارہ ہی کافی ہو جاتا ہے۔ داعی کا کام سودے کا مختصر

تعارف کرا کر قیمت بتلانا ہوتا ہے، پھر جس میں اس چیز کی جتنی طلب اور قدر ہوتی ہے اس کے مطابق وہ اس کی قیمت لگاتا جاتا ہے۔ اور ہر ایک دوسرے سے بڑھ کر بولی دیتا جاتا ہے۔ کوئی اپنا سب کچھ لٹا دینے کو تیار ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ خریداروں میں گوہر شناس ہوتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے۔

بڑا سرمایہ ہے سب کچھ لٹا دینا محبت میں
فقیرانہ لباس ہوتا ہے، دل شاہانہ ہوتا ہے

اور جو گوہر شناس نہیں وہ قربانیوں کے یہ مناظر دیکھ کر تنقیدوں اور تبصروں کے ذریعہ اپنی جہالت اور مفلسی کا اظہار کرتا رہ جاتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَنِیَّاتِکُمْ۔

وہ گوہر جس کی آواز لگ رہی ہے

یہ گوہر محبت الٰہی کے ایک تیر کا لگ جانا ہے۔ جس کی خلش ہر وقت اللہ کی یاد اور صرف اس کی رضا جوئی میں تعمیل حکم کے لئے بے قرار رکھتی ہے۔ اسی چیز کو حضور مع اللہ، معرفت و یقین اور اخلاص و احسان کہتے ہیں۔ امام ربانی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعثت فخر رسل صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے واسطے تھی اور جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی نسبت کے حامل تھے علی حسب مراتبہم۔ اسی نسبت کی وجہ سے اس بات پر اجماع ہے کہ تمام اُمت میں صحابہ کرامؓ سے کوئی بہتر نہیں، حالانکہ ان کے علم و عمل میں اور بھی شریک ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص کوہ اُحد کے برابر بھی خدا کی راہ میں سونا خرچ کرے تو اس کا یہ ایثار صحابہ کرام کے اس نصف صاع جو کے برابر بھی نہ ہو گا جو انہوں نے خدا کی راہ میں دیئے۔ انتہٰی۔

اسی گوہر مقصود کے متعلق حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ تحصیل

نسبت اور توجہ الی اللہ مامور من اللہ ہے۔ اگرچہ یہ کلی مشکک ہے کہ ادنیٰ اس کا فرض اور اعلیٰ اس کا مندوب ہے۔ اور صدہا آیات واحادیث میں مامور ہونا اس کا ثابت ہے اور طرح طرح کے طُرق و اوضاع سے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلکہ حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ گویا ساری شریعت اجمالاً وہی ہے کہ جس کا بسط بوجہ طول ناممکن ہے۔ اگر آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ ہر آیت و ہر حدیث سے وہی ثابت ہے۔ اس کی تحصیل کے واسطے جو طریقہ مشخص کیا جائے گا، وہ بھی مامور ہوگا اور ہر زمانہ اور ہر وقت میں بعض مؤکد اور بعض غیر مؤکد (یہ مکتوب گرامی حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام ہے اس لئے مجمل ہے)

یہی وہ گوہر ہے جو تمام اعمال کی رُوح ہے جس کے بغیر اعمال بے مغز محض چھلکے کی طرح بے کار ہوتے ہیں اور اس گوہر کے ساتھ اعمال کی قیمت لاکھوں گنا بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ نظر باری تعالیٰ اسی گوہر پر ہے نہ کہ اعمال کی صورتوں پر۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَ اَعْمَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ۔

اس گوہر کے حصول میں فضیلتوں کی قربانی

اس نور یقین اور نسبت مع اللہ کی قیمت کے متعلق حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دولت اگرچہ ہرگز ہرگز سہل نہیں، تمام جان و مال دے کر اس سے ایک ذرّہ ملے اور عمرِ نوح خرچ کرکے اگر ایک ذرّہ ملے تو مفت ہے اور بہت سہل ہے اور جلد ہے۔ تاہم کوئی مشکل نہیں، اگر مقدر ہے ورنہ کچھ بھی نہیں، یہی کہا ہے جس نے کہا "ایک انچھر پریم کا پڑھے تو پنڈت ہو" یعنی جس کو محبت کا ایک حرف آجائے، وہ علامہ ہو جاتا ہے ——— اور فرماتے ہیں کہ الحق کشف و کرامت ایک جَو کے برابر بھی نہیں اس نور یقین کے سامنے۔ جس قدر یقین ہے اسی قدر ایمان و تقرب ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جس درجہ کی یہ نعمت ہے ویسی ہی اس کی قیمت بھی ادا کرنی پڑتی ہے۔ اس کے لئے بلند ہمت والوں نے بڑی بڑی قربانیاں دیں۔ جیسے

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی خاطر بادشاہت چھوڑ کر فقیری اختیار کی لیکن ہم یہاں جان ومال اور بادشاہت وغیرہ سے بلند قربانیوں کو بیان کریں گے جس میں بنیادی لحاظ سے تو جاہ کی قربانیاں ہیں اور دینی لحاظ سے دینی فضیلتوں اور بڑے بڑے ثواب کی قربانیاں ہیں۔ کیونکہ یہ گو ہرایک ایسا کمال ہے جو دیگر تمام کمالات کا باعث ہے اور اُس کے حاصل ہو جانے کے بعد بھی اس کے قدر دان اس کے مقابلہ میں کسی بڑے سے بڑے عمل اور ثواب کی پرواہ نہیں کرتے۔ ہم اس مختصر تحریر میں صرف دو تین ہی مثالیں پیش کرتے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قربانی

صلح حدیبیہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی طرف سے قاصد بنا کر سرداران مکّہ کے پاس بھیجا کیونکہ حضرت عثمان رضؓ کی (باوجود مسلمان ہو جانے کے) مکہ میں بہت عزت تھی۔ وہ تشریف لے گئے تو صحابہ رضؓ کو رشک ہوا کہ عثمان رضؓ تو مزے سے کعبہ کا طواف کر رہے ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے امید نہیں کہ وہ میرے بغیر طواف کریں" چنانچہ حضرت عثمان رضؓ احرام باندھے ہوئے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے حالانکہ یہ طواف نفلی نہ تھا، بلکہ فرض تھا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے کام سے فارغ ہوئے اور واپسی کا ارادہ کیا تو قریش نے خود درخواست کی کہ تم مکہ میں آئے ہو تو طواف بھی کرتے جاؤ۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو روکے گئے ہوں اور میں طواف کر لوں۔ جب حضرت عثمان رضؓ واپس لوٹے تو مسلمانوں نے ان سے کہا کہ اے ابو عبداللہ! آپ نے تو بیت اللہ کے طواف سے خوب جی ٹھنڈا کیا ہوگا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آپ حضرات نے میرے حق میں بہت بُرا گمان کیا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر میں وہاں سال بھر ٹھہرا رہتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں فروکش ہوتے۔ تب بھی جب تک رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہ کرلیتے، میں طواف نہ کرتا کبھی اور مجھے تو قریش نے طواف کی دعوت بھی دی تھی، مگر میں نے صاف انکار کر دیا۔ یہ واقعہ اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے انتہا عشق و محبت کی خبر دیتا ہے کہ محبت کے آداب کے مقابلے میں فرض عمل کی ادائیگی کے خیال کو بھی بُرا گمان قرار دیا۔ خلیفۂ اجل حضرت تھانوی حضرت مجذوبؒ نے ایسی ہی ہستیوں کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے :۔

یاد میں تیری سب کو بھلا دوں کوئی نہ مجھ کو یاد رہے
تجھ پر سب گھر بار لُٹا دوں خانۂ دل آباد رہے
سب خوشیوں کو آگ لگا دوں غم سے ترے دل شاد رہے
سب کو نظر سے اپنی گرا دوں تجھ سے فقط فریاد رہے

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور تحصیلِ معرفت

اُستاذی، مرشدی و مولائی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی دامت برکاتہ کے ایک مضمون سے یہاں مختصر طور پر نقل کرتا ہوں۔ لکھتے ہیں کہ سلطنت عباسیہ جو اس زمانہ (امام غزالی رحؒ کے زمانہ) کی روئے زمین میں سب سے بڑی سلطنت تھی، امام غزالی رحؒ کی مجلس کے سامنے ماند پڑ گئی تھی۔ وہ امام غزالی جن کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے علم کی بادشاہت عطا فرما رکھی تھی، ان کو یہ محسوس ہونے لگا کہ میرے اندر جو یقین ہونا چاہیے تھا، وہ نہیں ہے (اپنے رسالہ المنقذ من الضلال میں انہوں نے لکھا ہے کہ میں سوچتا تھا کہ "دو اور دو چار" پر مجھے جتنا یقین ہے، اتنا یقین مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی بات پر کیوں نہیں۔ اس کو میں اپنے ایمان سے، اپنے دلائل سے تو صحیح مانتا ہوں لیکن جس طرح مجھے مشاہدہ سے یقین ہوتا ہے، ویسا یقین میرے اندر کیوں نہیں؟ یہ کیفیت میرے اندر پیدا ہوئی اور اس سے ایک ایسی تڑپ پیدا ہوئی کہ میری زبان بند ہوگئی اور میرے نظام ہضم نے کام چھوڑ دیا۔ آخر میں اس پوری شان و شوکت کو چھوڑ کر چلا گیا کہ جب تک

یقین کی کیفیت میرے اندر پیدا نہیں ہوگی۔ میں واپس نہیں آؤں گا۔ چنانچہ خدا نے ان کو ان کی جستجو میں کامیاب کیا اور وہ دولت عطا کی جس کی ان کو تلاش تھی۔ وہ ایسا یقین لیکر آئے اور ایسی معرفت لائے جو آج بھی ہزاروں نہیں لاکھوں دلوں کو گرما رہی ہے۔

مولانا خالد رومی یقین کی تلاش میں

اسی طرح مولانا خالد رومی کے دل میں ایک تڑپ پیدا ہوئی اور ان کو اپنے اندر ایک باطنی خلا محسوس ہوا کہ سب کچھ ہے۔ باہر سے عالموں کا لباس ہے عالموں کی زبان ہے، عالموں کا دماغ ہے، عالموں کا علم ہے، کتب خانہ کا کتب خانہ میرے دل میں بھرا ہوا ہے، لیکن جو چیز چاہیئے وہ نہیں ہے۔ میرے اندر وہ احسانی کیفیت جس کا داعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ یعنی تمہاری عبادت ایسی ہونی چاہیئے گویا کہ اللہ کو دیکھ رہے ہو، اس سے میرا دل خالی ہے۔ یہ احساس ان کے دل و دماغ پر پوری طرح چھا گیا۔ ان کو یہ معلوم ہوا کہ ہندوستان کے شہر دہلی میں اس وقت اللہ کا ایک بندہ ہے جو یقین کا سودا بیچتا ہے۔ بس یہ شام سے ہندوستان کے لئے چل کھڑے ہوئے۔ ہوائی جہاز میں نہیں بلکہ بادبانی کشتیوں میں یہ سفر ہوا۔ پہلے مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ حاضری دی، پھر ہندوستان دہلی میں شاہ غلام علی صاحب کی خدمت میں حاضری دی۔ خدا نے ان کی طلب صادق اور محنت شاقہ سے ان کو ایسا سرفراز کیا کہ حضرت شاہ غلام علی صاحب نے ان کو رخصت کیا اور پورے عراق، کردستان اور ترکی کی اصلاح کا کام ان کو سونپا۔ ڈیڑھ سو برس ہوگئے ہیں، لیکن آج بھی ان کا نام زندہ اور انہی کے صدقے سے ان علاقوں میں دین کی بہار ہے۔

دوطرفہ قربانی کی ضرورت

جس طرح اس سودے کو حاصل کرنے کے لئے قدر دانوں نے فضیلتوں کی قربانیاں دیں، اسی طرح اللہ کی رضا چاہنے والوں نے اس کو تقسیم کرنے اور لوگوں میں اس کی طلب پیدا کرنے کے کام میں بھی

اللہ کی رضا کے مقابلہ میں بڑے بڑے ثواب و مقام اور فضیلتوں کی پرواہ نہیں کی۔ اس کے لئے حضراتِ صحابہ رضؓ نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ ہی میں ان کی جدائی برداشت کی۔ پھر ان کے بعد آج تک اولیاء امت میں سے اس کام کو کرنے والوں نے ہمیشہ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ کے غیر معمولی فضیلتوں والے قیام پر کام کو ترجیح دی۔ آخر میں قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ جو شریعت و طریقت کے امام اور عشق نبوی کے پیکر تھے جن کو ایسے اسباب میسر تھے کہ بہت سہولت اور عزت کے ساتھ مدینہ منورہ میں قیام کر سکیں۔ ان کو یہاں کے ذمہ داروں نے قیام کی دعوت بھی دی، لیکن خدمات دینیہ پر انہوں نے یہاں کے قیام کو قربان کیا۔ پھر عمر شریف کے آخری سالوں میں اپنی عمر کا آخر محسوس کرتے ہوئے روضۂ اقدس کے جوار ہی میں جان دینے اور اسی خاک پاک کا پیوند بننے کی آرزو میں مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی۔ حکومت سے شہریت مل گئی۔ مسجد نبوی کے متصل قیام ہر قسم کی راحت و آرام کا انتظام حرمین کے رمضان کی بہاریں، رمضان میں عمرے کرنے کے فضائل روزے نمازوں کے لاکھوں گنا ثواب سب سے بڑھ کر ایک عاشق صادق کے لئے حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں اعتکاف کرنا اور فیضیاب ہونا، یہ سب کچھ اللہ کے فضل سے حاصل تھا۔ پھر اس کے ساتھ عوارض و امراض کی ایسی شدت کہ اہل تعلق کو ہر وقت کوئی ناشنیدنی سننے کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔ مگر حضرت نے اس عظیم کام کو پھیلانے اور اس کی طلب پیدا کرنے اور اس دولت کی تقسیم کے مراکز قائم کرنے کے لئے انتہائی ضعف و تکلیف کی حالت میں ہندوستان، پاکستان، یورپ اور افریقہ کے اسفار کئے۔ جن کی تفصیل رسالہ "حضرت شیخ اور مجالس ذکر" ——— میں ملاحظہ فرمائیں۔

کریم سے معاملہ کرنے کا نتیجہ

چونکہ دنیا و آخرت میں عزت وجاہ، راحت وسکون، مراتب ومناصب اور ثواب و فضیلتیں سب کچھ ایک اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ اور جب بندہ اس کی رضا کے لئے کوئی چیز (خواہ دنیا کی ہو یا آخرت کے ثواب کی لائن کی ہو) چھوڑ دیتا ہے تو وہ اللہ غنی وکریم اس کی قربانی کا نعم البدل بھی عطا فرماتا ہے اور اپنے بندہ کو نقصان میں نہیں رکھتا۔ مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ۔ اور اوپر جو صلح حدیبیہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مکہ مکرمہ آنے کا ذکر گذر چکا، اس میں ایک اہم واقعہ یہ بھی ہوا تھا کہ جب حضرت عثمان رضؓ نے طواف کا انکار کیا تو اس کو قریش نے بہت زیادہ محسوس کیا۔ اور بھڑک گئے۔ حضرت عثمان رضؓ کو روک لیا۔ اس پر یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمان رضؓ قتل کر دیئے گئے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے آخر دم تک (یعنی موت تک) لڑنے پر بیعت لی۔ جب کفار کو اس کی خبر پہنچی تو گھبرا گئے اور حضرت عثمانؓ کو فوراً چھوڑ دیا۔ اس بیعت کا نام اللہ پاک کے ارشاد کی وجہ سے "بیعت رضوان" ہوا۔ ارشاد ہوا:۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ۔ الخ

یعنی اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے (جو آپ کے ہمسفر ہیں) خوش ہوا جب کہ یہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔ ان بیعت کرنے والوں کو اللہ پاک کی خوشنودی کا پروانہ ملا۔ جس سے بڑھ کر کسی فضیلت اور انعام کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔

اور اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ (بیعت کرنے والے) تمام روئے زمین کے لوگوں سے افضل ہو۔ اور مسلم شریف میں حضرت جابر رضؓ سے مروی ہے کہ کوئی شخص جو بدر اور حدیبیہ میں شریک ہوا، دوزخ میں داخل نہ ہو گا۔ یہاں پر ہمیں یہ بتلانا ہے کہ اس مبارک بیعت کے وقت حضرت عثمان رضؓ وہاں موجود نہیں تھے، بلکہ

مکہ مکرمہ میں تھے۔ لیکن ان کی یہ غیر حاضری /حاضری سے بڑھ کر مبارک ثابت ہوئی کہ ان کے حصہ میں ایک خصوصی سعادت آئی جو کسی بھی حاضر باش حتیٰ کہ حضرات شیخین کو بھی نہ ملی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے کام میں گئے ہوئے ہیں۔" پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داہنے ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ "یہ عثمان کا ہاتھ ہے"۔ پھر اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا "یہ عثمان کی جانب سے بیعت ہے اور حضرت عثمان کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ مبارک لوگوں کے اپنے ہاتھوں سے بدرجہا بہتر ہے۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے بھی اس مقصد عظیم کے لئے اسفار کرنے میں مدینہ منورہ میں موت کی آرزو اور امید کو خطرے میں ڈالا تو اللہ کریم و قدیر نے ان کو تمام اسفار میں کامیاب کر کے آخری وقت میں سلامتی کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا دیا اور اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ان کا مزار بنا۔

اس دور کے امام ربانی کی زندگی کا آخری اور خصوصی مشغلہ

حضرت شیخ الحدیث متفقہ طور پر جامع شریعت و طریقت تھے۔ اس صدی کے امام و قطب تھے۔ ان کے نزدیک آجکل تمام دینی کاموں میں انتشار اور فتن کا باعث اخلاص اور تعلق باللہ کی کمی تھی کہ یہی چیز سارے کاموں کی روح ہے۔ بے روح محض صورت تو فتنہ ہی ہوتی ہے۔ اور جس طرح علوم ظاہرہ کے لئے علماء اور مدارس کی ضرورت ہے، اسی طرح یہ نسبت اور معرفت اور احسان مشائخ کی صحبت اور خانقاہوں میں ذکر شغل کی کثرت کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی چیز کو سلفاً و خلفاً تمام اکابرین نے نہایت اہم سمجھا۔ بلکہ ان کے کارناموں میں یہی چیز نمایاں نظر آتی ہے۔ لیکن آج جدید نام نہاد مفکرین اسلام کے ذریعہ نعوذ باللہ اسی چیز سے پیچھا چھڑانے کی کوششیں ہو رہی

ہیں۔کہیں اس کے حصول کے ذرائع کو کتاب وسنت کے خلاف کہا جا رہا ہے۔کہیں دوسرے دینی کاموں میں رکاوٹ بتلایا جا رہا ہے۔کہیں حالاتِ حاضرہ اور حکمت عملی کے خلاف سمجھ کر اس سے ہٹایا جا رہا ہے۔اسی وجہ سے حضرت شیخ رح نے اس شعبہ کے احیاء کے لئے بطور خاص توجہ دی۔انہوں نے اپنے خدام کو اس کام کے لئے تیار کیا۔نہایت زوردار ترغیبیں دیں۔اور خانقاہوں کے قیام کے ابتدائی مرحلہ مجالس ذکر کا رواج دیا۔اور رمضان المبارک میں کسی مرکزی جگہ کی مسجد میں سارے خانقاہی اعمال مجاہدات، اذکار واشغال کے ساتھ رمضان گذارنے کے نمونے مختلف جگہوں پر قائم کئے۔اور اپنے بعد اس سلسلہ کو جاری رکھنے اور پھیلانے کی وصیت کر گئے۔چنانچہ الحمد للہ ہندوستان اور کئی ممالک میں حضرت کے خدام اس پر عمل کر رہے ہیں۔ہمارے پاکستان میں راولپنڈی اور کراچی میں پورے رمضان کا یہ نظم جاری ہے اور کامیاب ہے لیکن حضرت کی دلی آرزو یہ تھی کہ یہ خانقاہی سلسلہ مدارس عربیہ کے ساتھ اور ان کے ماحول میں ہونا چاہیئے کیونکہ اُمت میں دعوت کا اصلی کام علماء ہی کے ذریعے ہوتا چلا آیا ہے۔یہی حضرات نبوت کی نیابت کا حق رکھتے ہیں۔یہ حضرات جیسے علوم نبوت کے حامل ہیں۔ان میں انوارِ نبوت یعنی ایمانی واحسانی اور حبی کیفیات بھی ہوں تاکہ امت میں حقیقی دین پھیلے۔ورنہ اس نسبت کے بغیر جو چیز پھیلے گی، وہ دین کی شکل میں دنیا ہی ہوگی اور یہی بڑا فتنہ ہے۔

جامعہ خیر المدارس ملتان میں رمضان کا چلہ

الحمد للہ گذشتہ سال خیر المدارس کے ذمہ دار حضرات نے مل کر حضرت شیخ رح کے طریقہ کے مطابق رمضان المبارک میں جامعہ کی مسجد میں روحانی تربیتی اجتماع کا نظم کیا۔جس سے علماء وطلباء اور دیگر اہلِ مدارس بھی متوجہ ہوئے۔جس سے ان شاء اللہ بڑی خیر کی امید ہے۔حقیقت یہ ہے کہ جس کام کی طرف قطب وقت کی توجہ ہو، وہ مؤیّد من اللہ ہوتا ہے۔اس میں لگنے والے فلاح پاتے ہیں۔کچھ عرصہ پہلے بڑے بڑے مشائخ کی

خانقاہیں آباد تھیں۔ لوگ سارا سال وہاں حاضری دیتے تھے اور فیضیاب ہوتے تھے۔ اب ان حضرات کے اُٹھ جانے کے بعد ان کا بدل ان کے خدام کا اجتماع ہے کہ قلوب کے اجتماع کو اللہ پاک کی رحمت اور رأفت کے متوجہ کرنے میں خاص دخل ہے۔ جبکہ قلوب کا مقصد اور رُخ ایک ہی ہو، جو کہ یکسوئی کا باعث ہے۔ محض بھیڑ نہ ہو

بحمداللہ وفضلہ حضرت اقدس قطب الاقطاب شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی نوّر اللہ مرقدہٗ واعلی اللہ مراتبہ العلیا کے طریقہ کے مطابق حضرت کے سلسلہ عالیہ کے خلفاء ومجازین کی زیر سرپرستی ملک کے گوشہ گوشہ میں خانقاہیں قائم ہیں۔ اور ماہِ مبارک کا اہتمام کراچی، ملتان، کبیروالا، لاہور، فیصل آباد، پنڈی، ہری پور اور ٹیکسلا کی خانقاہوں اور دیگر چھوٹی جگہوں میں ہوتا ہے۔ اور بیرون ملک ہندوستان خصوصًا سہارنپور، دیوبند، انڈومان وغیرہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے بالکل طریقہ پر بڑے خلیفہ حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کبرسنی، انتہائی ضعف اور امراض کے باوجود وفات کے آخری سالوں میں مدراس اور ڈھاکہ میں بہت کامیابی کے ساتھ کراتے رہے۔ جس میں وہی شیخؒ ہی کی مجلس میں پڑھی جانے والی کتابیں چہل حدیث کا سنانا (جس کا معروف نام ہی درود وسلام کا مقبول وظیفہ اور چہل حدیث ہے) اور ذکر بالجہر سب چیزیں مکمل طور پر ہوتی تھیں سالکین دور دور حتّٰی کہ حجاز مقدس سے سفر کر کے وہاں حاضری دیتے تھے۔ اور جنوبی افریقہ امریکہ، لندن وغیرہ میں بھی الحمد للہ ایسے اجتماعی اصلاحی رمضان شروع ہو گئے ہیں۔ اور ہر کامیاب روئیدادیں آتی ہیں۔

ابو داؤد شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہیں مجتمع ہوا کوئی مجمع کسی گھر میں اللہ کے گھروں میں سے (یعنی مسجد یا خانقاہ میں) الخ۔ اس حدیثِ پاک کے فوائد میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رح تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

ف۱: عادۃً ذکرِ حلقہ بہت سے ذاکرین کے ایک جگہ جمع ہونے سے دلچسپیٔ ذکر ہے اور انعکاس انوار قلوب میں اور نشاط و ہمت کا بڑھنا اور سستی کا رفع ہونا اور مداومت میں سہولت وغیرہ منافع حاصل ہوتے ہیں۔ اس کو ذکرِ حلقہ کہتے ہیں۔ اس حدیث میں اس کی اصل مع اشارہ کے اس کی برکات کی طرف موجود ہے۔

ف۲: بنائے خانقاہ اجتماع فی الذکر حضرات صحابہ و تابعین بوجہ قوت قُربِ عہد فیضِ تحصیل ملکۂ ذکر میں محتاجِ خلوتِ مکانی نہ تھے۔ بعد میں تفاوتِ احوال و طبائع کے سبب عادۃً اس ملکہ کی تحصیل موقوف ہوگئی خلوتِ مکانی و بُعد عن عامۃ الخلق پر۔ اس وقت مشائخ میں خانقاہ بنانے کی رسم بمصلحت محمودہ ظاہر ہوئی۔ ہر چند کہ اس حدیث میں بناءً علی المشہور بیوت اللہ کی تفسیر مساجد کے ساتھ کی گئی ہے۔ لیکن اطلاق لغۃً اور اشتراکِ علت کی بناء پر خانقاہوں کو بھی اس مفہوم میں داخل کرنا مستبعد نہیں[۱]۔

ف۳: مشاہدہ شاہد ہے کہ اشتغال بالذکر سے قلب میں ایک کیفیت غریبہ لذیذہ پیدا ہو جاتی ہے، اور مواظبت سے اس میں رسوخ ہو جاتا ہے۔ صوفیہ کی اصطلاح میں اس کو نسبت کہتے ہیں۔ اس حدیث میں صراحۃً اس کا بیان ہے اور اسے سکینہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ (التکشف ص ۳۵۹ تفصیل مجالس ذکر او رشیخ)

مکتوب گرامی خواجہ محمد معصوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ محمد معصوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک گرامی نامہ

جو کہ حضرت نے اپنے ایک مسترشد کو تحریر فرمایا، اور اس مضمون کے لئے اصل ہے، اس کو بھی حرفِ آخر کے طور پر ذکر کر دینا مناسب ہے۔

حافظ ابوالقاسم بن محمد مراد لاہوری کے نام:-

"بعد الحمد والصلوٰۃ ــــــ صحیفہ گرامی نے مشرف و مسرور کیا ــــــ چونکہ

---

[۱] ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ مدارس، خانقاہیں اور مساجد بیوت اللہ ہیں۔

وہ "دیدِ قصور" اور "احوال ماضی و حال" کے تاسف پر مشتمل تھا اور وصول الی المطلوب کی طرف اشارہ کر رہا تھا، اس لئے اس کو پڑھ کر مسرت پر مسرت ہوئی ——— اللہ تعالیٰ اس "احساس کوتاہی" کو اور زیادہ کر دے، عُجب و پندار سے رہائی دے آتش شوق دل میں بھڑکا دے، اپنے تک پہنچنے کے تمام موانع سے یکسو کر دے ——— اور طلب و محبت میں "یکجہت و یک رو" کر دے ——— اِنَّہٗ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ ——— مخدوما ——— مقصد اعلیٰ اس فانی زندگی کے اندر "تحصیل معرفت حق" ہے۔ اور معرفت دو قسم کی ہے:-

(۱) وہ معرفت جس کو علمائے عظام بیان کرتے ہیں۔

(۲) وہ معرفت جس کے ساتھ صوفیائے کرام ممتاز ہیں۔

معرفت کی پہلی قسم نظر و استدلال سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری کشف و شہود سے۔ پہلی قسم کی معرفت "دائرۂ علم" میں داخل ہے۔ اور "تصور و تعقل" کے قبیل سے ہے اور دوسری معرفت "دورۂ حال" میں داخل ہے، اور تحقق کی جنس سے ہے۔ پہلی قسم وجود عارف کو فنا کرنے والی نہیں ہے اور دوسری نوع وجود سالک کو فنا کرنیوالی ہے۔ پہلی قسم از قسم علمِ حصولی ہے اور دوسری از قبیل علم حضوری ——— اس لئے کہ اس دوسری قسم کی معرفت میں نفسِ سالک فنا ہو جاتا ہے اور حق ظاہر ہوتا ہے۔ پہلی قسم میں حصول معرفت، منازعت نفس اور انکارِ نفس کی کشمکش کے ساتھ ساتھ ہے۔ (اس لئے کہ نفس ابھی اپنی صفاتِ رذیلہ پر قائم ہے۔ تمرد و سرکشی سے باہر نہیں ہو سکا ہے) اس صورت میں اگر ایمان ہے تو محض "صورت ایمان" ہے۔ اور اگر اعمال صالحہ ہیں، تو "صورت اعمال صالحہ" ——— (حقیقت ایمان و اعمال نہیں) وجہ یہی ہے کہ نفس ہنوز کفر میں مبتلا ہے اور مولیٰ تعالیٰ کی مخالفت کر رہا ہے ——— اس ایمان کو "ایمان مجازی" کہتے ہیں۔ یہ ایمان مجازی "زوال و خلل" سے محفوظ نہیں ہوتا۔

دوسری معرفت چونکہ وجود سالک کو فنا کرتی ہے۔ اور "اسلام نفس" کا نتیجہ بخشش ہے اس لئے اس منزل میں ایمان، زوال سے محفوظ اور خلل سے مامون ہوتا ہے۔

"حقیقتِ ایمان" اس مقام پر ہوتی ہے۔ اور "حقیقت اعمال صالحہ" بھی یہیں جلوہ گر ہوتی ہے۔ حقیقت کبھی منتفی نہیں ہوا کرتی، اس کو بقا لازم ہوتی ہے۔

یَآیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا ۔۔۔۔۔ میں اشارہ اسی ایمان کی طرف ہے۔

امام احمد بن حنبل رح اسی معرفت کے طالب تھے، کہ علم و اجتہاد کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہوتے ہوئے مشہور بزرگ بشر حافی رح کی رکاب کے ساتھ خادمانہ طریقے پر چلتے تھے۔ لوگوں نے اس ادب و احترام کا سبب دریافت کیا، تو امام احمد رح نے فرمایا کہ "بشر کو خدا کی معرفت مجھ سے زیادہ حاصل ہے"۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی عمر کے اخیر دو سال میں اسی مقصد اعلیٰ کی تکمیل کی اور ان کا مشہور مقولہ ہے: لَوْلَا السَّنَتَانِ لَهَلَكَ النُّعْمَانُ ۔۔۔۔۔ (اگر تکمیلِ مقصد کے یہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہو جاتا) ۔۔۔۔۔ دیکھو اعمال میں وہ کتنا اونچا درجہ پہلے ہی سے رکھتے تھے۔ اجتہاد و استنباط کے برابر کون سا عمل ہو سکتا ہے اور درس و تعلیم کے پائے کو کون سی طاعت پہنچ سکتی ہے (مگر پھر بھی وہ تکمیل کی طرف مائل ہوئے)

جاننا چاہیئے کہ "قبولیتِ اعمال" پورے طریقے پر "کمال ایمان" کے بقدر ہے۔ اور نورانیت اعمال "کمال اخلاص" سے ہے۔ جتنا ایمان کامل تر اور اخلاص کمال تر ہوگا اعمال میں نورانیت و قبولیت اسی قدر ہوگی۔ کمال ایمان اور کمال اخلاص "معرفت" کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور یہ معرفت فنا کے ساتھ وابستہ ہے۔ جو فنا میں راسخ تر ہوگا ایمان میں کامل تر ہوگا۔ اسی وجہ سے ایمانِ صدیقِ اکبرؓ ایمانِ امت پر راجح ہے۔ حضرت صدیقِ اکبرؓ "فنا" میں فرد کامل تھے۔

ف ۱ے ایمان والو (حقیقی) ایمان پیدا کرو۔ ۱۲

اس طویل تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر ہوشمند پر لازم ہے کہ وہ مقصدِ اصلی میں سچے دل سے غور و تامل کرے۔ جس کسی کو معرفت مذکورہ حاصل ہے وہ لائق مبارکباد ہے۔ اس نے "مقصد آفرینش" پورا کر لیا اور کمال عبادت کے ساتھ زندگی گذاری۔

ارشادِ باری ہے:۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ———

یہاں عبادت سے مراد معرفت ہے ——— جس کسی کو یہ معرفت حاصل نہیں ہے، وہ جان و دل سے اس کی طلب میں کوشش کرے اور جس جگہ اس کی خوشبو سونگھے، وہاں پہنچے ——— افسوس کہ جو چیز فانی زندگی میں مطلوب ہے، اُسے انسان حاصل نہ کرے اور دوسرے لایعنی امور میں مصروف ہو۔——— ایسا شخص کل بروز قیامت کس طرح زبان عذر کھول سکے گا۔

ترسم کہ یار با ما نا آشنا بماند ۔۔۔ تا دامنِ قیامت ایں غم بجا بماند

جامعہ خیر المدارس میں اس سودے کا بازار اس جنس کے لئے سازگار موسم رمضان المبارک میں لگا۔ یہ جامعہ میں پہلا تجربہ تھا۔ آنے والے رمضان میں ان شاء اللہ زیادہ بہتر اور مؤثر انتظام ہوگا۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ برکت اور بزرگی اجتماع اور ماحول کی ہے۔ یہ جتنا زیادہ اور اخلاص سے ہوگا اتنی ہی برکت ہوگی۔ اس لئے گذارش ہے کہ اپنے گھروں کی راحت و آرام کی قربانی اور اپنی جگہ یکسوئی سے رمضان میں اعتکاف کرنے کی فضیلت اور دیگر تراویح پڑھنا، جمعہ پڑھانا وغیرہ خدمات دینیہ کی فضیلتوں کو قربان کر کے اس گوہر مقصود کو بانٹنے، اس کی طلب پیدا کرنے اور اس کو حاصل کرنے کے لئے ابھی سے فارغ ہونے کا ارادہ کریں۔ اس کے لئے کوشش کریں۔ دعائیں مانگیں۔ ایسے اجتماع کوہ مری، کندیاں شریف، راولپنڈی اور کراچی میں بھی ہوتے ہیں اور خیر المدارس ملتان میں بھی ہوگا۔ جہاں کسی کو سہولت اور مناسبت ہو، وہ وہاں شرکت کرے۔ دراصل ہادی اور فیض رساں تو

لے ہم نے جن اور انسان کو اطاعت و فرمانبرداری کے لئے پیدا کیا ہے۔ ۱۲

ذاتِ پاک ایک ہی ہے۔ وہی طالبوں کو نوازتا ہے، لیکن اللہ پاک نے اپنی حکمت سے اس ہدایت کے سلسلہ کو بھی اسباب کے پردہ میں چھپایا ہوا ہے۔ جس طرح ایک شیخ کامل اس نور کے پھیلانے کا واسطہ ہوتا ہے، اسی طرح یہ اجتماع اس کا بدل بن جاتا ہے اور اجتماع کے وجود میں آنے میں ہر خاص و عام کا حصہ ہوتا ہے۔ اس لئے کہ نورِ یقین کے حامل ذاکرین اور سیکھنے سکھانے والے طالبین، ان سب کی خدمت کرنے والے منتظمین سب ایک دوسرے کے معین ہوتے ہیں۔ جیسے بازار میں اگر صرف دکانیں اور مال ہی ہو خریدار نہ ہوں تو کام نہیں چلتا۔ اگر خریدار ہوں، مال نہ ہو، تب بھی بازار نہیں لگتا۔ یہ محض آدمیوں کی بھیڑ ہوگی۔ اسی طرح اگر خدمت کرنے والے اور انتظام کرنے والے نہ ہوں، تب بھی سکون و فراغت سے یہ حضرات مشغول نہیں رہ سکتے۔ لہٰذا اس خیر میں سب ہی کا حصہ ہوتا ہے۔ بلکہ یہ ایسا اجتماع ہے کہ اس میں جو میری طرح کے محض بیکار اور مجرم سیہ کار ہوتے ہیں، ان کے لئے بھی حدیث پاک میں بشارت ہے۔ هُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقَىٰ جَلِيسُهُمْ، اور کوئی محض نفری بڑھانے کا باعث ہی ہو، اس کے لئے بھی بشارت ہے۔ مَنْ كَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ اور جو مجبوری کی وجہ سے شریک ہی نہیں ہوئے بلکہ دور ہی سے محبت اور دعا کرتے رہے، ان کے لئے بھی بشارت ہے۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ، لہٰذا کسی خاص مقام کے لئے دعوت نہیں لیکن مدارس عربیہ میں ایسے کام کی افادیت زیادہ ہے کہ حضرت شیخ رح کی بھی آرزو تھی۔ انہوں نے اس کو فقہ اور حدیث کے ماتحت چلایا۔

جامعہ خیر المدارس میں الحمد للہ اس کام کو فقہ و حدیث کے اکابر علماء کرام کی سرپرستی اور نگرانی رہی اور ان کی شرکت موجب خیر و برکت رہی۔ راقم الحروف سے کئی باطنی ادراک رکھنے والے اور روشن ضمیر معتبر بزرگوں نے بذریعہ کشف اس اجتماع کے خیر المدارس میں خبر ہونے کی بشارت سنائی۔ اور ان بزرگوں میں مالی لحاظ سے ایک متوسط حال کو تو اس میں مالی امداد کرنے کا بھی حکم ہوا اور انہوں نے حسب توفیق مالی شرکت کی۔ ایسی چیز کو ہمارے

حضرتِ شیخ ؒ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عطیہ اور ان کی عنایت و توجہات قرار دیا کرتے تھے۔

واللہ الموافق ——— وما علینا الا البلاغ اللّٰھم اجعل
خیر عمری آخرہ وخیر عملی خواتمہ وخیر ایامی یوم القاک
فیہ وتوفنا مسلمین والحقنا بالصالحین وصلی اللہ تعالٰی
علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا ومولانا محمدٍ وآلہٖ وصحبہ
وبارک وسلم برحمتک یا ارحم الراحمین

مغفرت وحسن خاتمہ کی دعاء کا طالب
محمد اقبال۔ مدینہ منورہ
۲، ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ

○

تکملہ

اولیاء اللہ کا وہ کشف جو ولایت کے لئے ضروری ہے

بِسْمِ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ

کشف کا لفظ ہر خاص و عام میں مشہور ہے۔ لیکن جہلاء میں بہت افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔ کوئی تو اس کا انکار کرتا ہے اور کوئی اس سے احکامات حاصل کر کے گمراہ ہوتا ہے۔ البتہ خواص جو اس کے درجہ اور اس کے متعلقہ احکام کو جانتے ہیں۔ وہ اس سے بشارتیں حاصل کرتے ہیں اور سلوک میں بھی مدد حاصل کرتے ہیں۔ کشف کی تعریف اور اس کے جملہ احکام اور اس کے تمام متعلقہ امور عام طور سے تصوف کی کتابوں میں مل جاتے ہیں، اور ہمارے سلسلہ کے نصاب میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف "امداد السلوک" میں اور حضرت قاضی ثناء اللہ کی کتاب "ارشاد الطالبین" میں بھی کافی تفصیل موجود ہے، جو وہاں دیکھی جا سکتی ہے۔ یہاں پر ایک ایسی کشفی حالت کی وضاحت کرتے ہیں جو اولیاء اللہ کے لئے ضروری ہے۔

کشف کی دو قسمیں کشف کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ کشف کونی ۲۔ کشف الٰہی

کشف کونی سے مراد یہ ہے کہ کون و مکان کے امور غیبیہ سے مطلع ہو جانا۔ دور کی چیز کو قریب دیکھ لینا۔ کسی کے دل کی بات یا قبر کے حالات کا منکشف ہو جانا وغیرہ۔ عوام اسی قسم کو کشف کہتے ہیں۔ اور یہ اہل مجاہدہ اولیاء اللہ

کو حاصل ہوتا ہے جو کہ ان کے مجاہدات کا اثر بھی ہوتا ہے اور بعض کو وہبی بھی ہوتا ہے۔ لیکن یہ کشف اہل مجاہدہ غیر مسلم جوگیوں کو بھی ہو جاتا ہے۔ اور بعض جانوروں کو بھی حاصل ہونا حدیثِ پاک سے ثابت ہے۔ چنانچہ مرغا فرشتوں کی آمد و رفت دیکھ کر بولتا ہے جس کو مرغا کی اذان کہتے ہیں۔ اور گدھا شیطانوں کو دیکھ کر بولتا ہے۔ جس کی آواز پر اَعُوْذُ بِاللّٰہِ اور لَاحَوْلَ پڑھنا آیا ہے اور دیگر چوپاؤں کا قبر کا عذاب سننا حدیثِ پاک میں آیا ہے۔

دوسری قسم کا عام نام "کشفِ الٰہی" ہے۔ اس سے مریدوں کی استعداد اور ان کی تربیت کے سلسلہ میں ان کے احوال اور اللہ تعالیٰ کی صفات، ایمانیات، امورِ غیبیہ کے متعلق شرح صدر ہو جاتا ہے۔ اور ایسا یقین ہو جاتا ہے کہ جیسے دیکھ رہے ہیں۔ اسی کو مشاہدہ کہتے ہیں، گویا مشاہدہ کی طرح یقین ہو جاتا ہے نہ کہ ظاہری آنکھوں سے نظر آنا۔ عوام تو اس کو کشف سمجھتے ہی نہیں۔ حالانکہ یہ کشف کامل اولیاء اللہ کے لئے لازم ہے تصوف کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والوں نے عام طور سے پڑھا ہوگا کہ محققین کشف کونی کو بزرگی کے لوازمات میں سے ہونے کی تردید کرتے ہیں اور اہمیت نہیں دیتے۔ بلکہ بعض سالکین کے لئے اس کو مضر سمجھتے ہیں۔

اسی طرح تصوف کی کتابوں میں کشف کی خوبیوں کا ذکر بھی ملتا ہے کہ فلاں شخص کے اخلاص یا مجاہدہ پر دقت کے غوث اور قطب نے توجہ کی اور اس شخص پر انکشافات ہو گئے اور پردے اٹھ گئے اور وہ ولی کامل ہو گیا۔ مشائخ نے لطائف پر نور و ظلمت کے ستر ہزار پردوں کا ذکر فرمایا ہے جو کہ لطائف کی صفائی کے بعد چھٹ جاتے ہیں۔ اور تفصیلی سلوک کرنے والوں کو عروج کی حالت میں غیبی عجائبات، جنت و دوزخ، فرشتے وغیرہ نظر آتے ہیں۔ جب یہ توجہ کرنے سے مشائخ منع فرماتے ہیں اور نزول تام ہونے کے بعد یہ حالت نہیں رہتی۔ اور یہ احوال آجکل بہت شاذ ہیں۔ اور ہماری اس ترغیبی تحریر کا موضوع بھی نہیں کسی کو تفصیل دیکھنا ہو

تو "امداد السلوک" میں دیکھے۔

کشفِ الٰہی میں کوئی عجیب و غریب چیزیں ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتیں۔ بلکہ یہی ایمانیات جو عام لوگوں کو حاصل ہیں وہ یقین سے بدل جاتی ہیں۔ جیسے قرآن شریف میں مومنین کو حکم ہے یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا یعنی اے ایماندارو یقین لاؤ۔ اس کشف کے بعد انہی ایمانیات امورِ غیبیہ کا ایسا یقین پیدا ہو جاتا ہے جسے مشاہدہ کہتے ہیں۔ اس کشف اور مشاہدہ اور یقین کو "احسان" بھی کہہ سکتے ہیں، جس کے معنی حدیث جبرئیل میں ہیں۔ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ کَاَنَّكَ تَرَاهُ۔ کَاَنَّكَ کے لفظ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ظاہری آنکھوں سے دیکھنا مراد نہیں ہے۔ بلکہ معنیٰ یہ ہیں کہ اس طرح سے سنوار کے اللہ کی عبادت کرو جیسا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو

اس کشف کے بغیر کشف کا عکس یعنی پردہ ہوتا ہے۔ ہمارے سارے ایمانیات پر پردے پڑے ہوئے ہیں، حتیٰ کہ موت جیسی چیز جو کہ غیبی بھی نہیں، روز کے مشاہدہ میں ہے اس پر بھی بہت موٹا پردہ ہے۔ صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ موت کا انکار نہیں لیکن حالت ایسی ہے گویا یہ ایک افسانہ ہے۔ اسی طرح دنیا کا حال ہے کہ اس کی ٹیپ ٹاپ جو کہ ظاہر ہے اور اس سے واسطہ ہے، اس کی ظاہری ٹیپ ٹاپ پر تو فریفتہ ہوئے ہیں۔ اور اس کا باطن جو کدورت و پریشانی اور مصیبت ہے، اس پر پردہ ہے۔ حالانکہ اس کی حقیقت لہو و لعب اور دھوکہ کا گھر ہونا اور اس کی بے ثباتی پر قرآن شریف کی آیات میں صاف صاف وارد ہے، جس کا مسلمان کو انکار نہیں لیکن کشف نہیں ہے، موٹا پردہ پڑا ہوا ہے۔ اس بے ثبات اور لغو دنیا کا ایک عجیب پہلو یہ بھی ہے کہ اس کے ایک سانس سے دوزخ کا بچاؤ ہو سکتا ہے اور ہمیشہ کی جنت کمائی جا سکتی ہے۔ آخرت کو ہمیشہ کی زندگی بنانے کے لئے یہی دنیا کی زندگی دار العمل ہے ؎

تیرا ہر سانس نخلِ موسوی ہے ۔۔۔ یہ مادہ جزر جواہر کی لڑی ہے

ان سانسوں کی تعداد مقرر ہے جس کو عمر کہتے ہیں۔ جب یہ ختم ہو جائے اس وقت آدمی کے پاس اگر کروڑوں روپے بھی ہوں وہ ان کو خرچ کر کے اگر ایک سانس خریدنا چاہے تاکہ ایک دفعہ کلمہ ہی پڑھ لے تو وہ سانس نہیں ملے گا۔

پانچ حالتیں

چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ پانچ حالتوں کو دوسری پانچ حالتوں کے آنے سے پہلے غنیمت جانو اور ان سے جو فائدہ اٹھانا چاہو وہ اٹھالو۔ ۱۔ غنیمت جانو جوانی کو بڑھاپے کے آنے سے پہلے۔ ۲۔ غنیمت جانو تندرستی کو بیمار ہونے سے پہلے۔ ۳۔ غنیمت جانو خوشحالی و فراخ دستی کو ناداری اور تنگدستی سے پہلے ۴۔ غنیمت جانو فرصت اور فراغت کو مشغولیت سے پہلے۔ ۵۔ غنیمت جانو زندگی کو موت کے آنے سے پہلے۔ (ترمذی شریف)

قبر میں پچھتّر ہزار قرآن شریف کا ختم

ایک صاحب کشف قبور والے نے ایک بزرگ کو دیکھا کہ اپنی قبر میں بیٹھے قرآن کریم پڑھ رہے ہیں۔ ان بزرگ نے کہا کہ میں جب سے یہاں قبر میں آیا ہوں پچھتّر ہزار قرآن شریف میں نے ختم کئے ہیں۔ یہ مجھے اللہ نے لذت کے لئے مشغلہ دے دیا ہے لیکن اس سے میرے نامۂ اعمال میں ایک نیکی بھی نہیں لکھی گئی۔ تم لوگ جو دنیا میں ہو دارالعمل میں ہو۔ اگر ایک حرف قرآن شریف کا پڑھو تو دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ ایک دوسری قبر سے صاحب قبر بزرگ نے کہا کہ تم لوگ عمل کرتے ہو لیکن اجر نہیں دیکھتے۔ ہم اجر دیکھتے ہیں کہ معمولی معمولی عمل پہ پہاڑوں کے برابر اجر ملتا ہے لیکن ہم عمل نہیں کر سکتے" دنیا کے اس پہلو پر بھی پردے پڑے ہوئے ہیں، کشف نہیں ہے جس کی وجہ سے سانسوں کی تو کیا حقیقت، ہم لوگ مہینے اور سال معصیت اور غفلت میں گذار کر اس قیمتی سرمایہ کو ختم کر رہے ہیں اور نقصان اٹھا رہے ہیں۔ اگر اس پہلو کا کشف ہو جائے تو آدمی سانسوں کا خیال کرے۔ ایک سانس میں کئی دفعہ کلمہ شریف پڑھا جا سکتا ہے، جس سے ہمیشہ کی جنت ملتی ہے اور استغفار کیا جا سکتا ہے جس سے جہنم

سے حفاظت ہوتی ہے، درود شریف پڑھا جا سکتا ہے۔ مگر افسوس ہمیں یہ کشف نہیں۔ نہ اس کو حاصل کرتے ہیں۔ ان باتوں پر محض سرسری ایمان ہے۔ اسی طرح سے امورِ غیبیہ، اللہ تعالیٰ کی صفات پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، اللہ تعالےٰ کے سامنے حاضر ہونے پر ایمان، آخرت کی دائمی زندگی پر ایمان، جنت و دوزخ وغیرہ پر ایمان، اور قرآن پاک جو ہاتھوں میں موجود ہے، اس پر ایمان، حدیثِ پاک جس کو پڑھتے پڑھاتے ہیں، اس پر ایمان، ان سب چیزوں پر اتنے موٹے پردے پڑے ہوئے ہیں کہ محض سنے سنائے افسانہ کے طور پر ہم لوگ ان کو مانتے ہیں اور ان میں سے کسی چیز کا صاف زبان سے انکار نہیں کرتے اللہ کے فضل سے اگر مرتے دم تک کوئی اس پر بھی قائم رہے تو اس کی نجات کے لئے اس قسم کا ایمان کافی ہے۔ لیکن عملی حالت انکار اور کفر کے مترادف ہے، جس کو عملی نفاق بھی کہہ سکتے ہیں۔ ایسا کمزور ایمان معمولی معمولی باتوں پر ٹوٹ جاتا ہے، بِک جاتا ہے۔ اگر خدانخواستہ آخر وقت میں ٹوٹا ہوا ہوگا تو بہت ہی خسارہ کی بات ہے۔ اس کو مضبوط بنانے کی اشد ضرورت ہے۔

ایمان کو مضبوط بنانے کا ذریعہ جس کا ایک ذریعہ تو اسی کلمۂ توحید کی تکرار ہے۔ جس سے یہ حاصل ہوتا ہے۔ اس کی تکرار سے ایمان کی تجدید ہوتی رہتی ہے۔ جیسا کہ حدیثِ پاک میں ارشاد ہے جَدِّدُوْا اِیْمَانَکُمْ بِقَوْلِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔

اور اس کے ساتھ بڑا ذریعہ مضبوط ایمان و یقین والوں کی صحبت ہے۔ اس لائن کی شرائط و آداب کے ساتھ جو "عوارف المعارف" وغیرہ کتب میں "آداب شیخ و مرید" کے عنوان سے مذکور ہیں۔ اور احقر کے رسالہ "اکابر کا سلوک" میں بھی وہیں سے نقل کیا ہوا ہے

ذکر شغل سے پہلے ضروری کام اور شیخ کی نگرانی اور ہدایت کے مطابق اپنی قلبی اصلاح یعنی رذائل حسد، بغض، کینہ، تکبر، باطل

خواہشات وغیرہ کو دور کرے اور خصائل حمیدہ توبہ، صبر، شکر، قناعت، توکل وغیرہ کے حاصل کرنے میں مشغول ہو جانا ہے جو کہ اختیاری ہے۔ اور اس سے بھی پہلے اپنے عقائد اہل سنت والجماعت کے مطابق حاصل کرنا۔ اور نماز روزہ وغیرہ فرائض کا ضروری علم حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اور ان ضروری امور کے ساتھ ساتھ کچھ تسبیحات اور ذکر و شغل بھی شروع کر دے۔

اگر کسی شیخ کامل کی صحبت میں حاضری مشکل ہو یا مناسبت نہ ہو تو اس کا بدل ایسے حضرات کی تصانیف کا مطالعہ کرنا ہے اور مجالس ذکر میں شرکت اور پرانی پرانی مسجد (خصوصاً جن میں صبح و شام ذکر ہوتا ہے اُن) میں بیٹھ کر خود ذکر کرنا ہے۔ کہ مجالس ذکر میں شیخ کامل کی صحبت کی طرح سے انوار حاصل ہوں گے۔ اسی طرح ان مساجد میں قیام کرنے سے بھی دوسرے نمبر میں نور حاصل ہوگا۔ اور اسی میں اہل حق کی آباد خانقاہیں بھی داخل ہیں۔ اور نور حاصل کرنے کا ایک ذریعہ درود شریف کی کثرت بھی ہے۔ چنانچہ حضرت مفتی شفیع صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

قیامت تک مومنین کے قلوب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک سے استفاضۂ نور کرتے رہیں گے۔ اور جو جتنی محبت اور تعظیم اور درود شریف کا زیادہ اہتمام کرے گا اس نور کا حصہ زیادہ پائے گا۔ (تفسیر معارف القرآن ج ۷ سورۂ احزاب آیت ۴۶)

جب دل میں نور آجائیگا تو پردے چھٹنے لگیں گے اور ان امور کا کشف ہونے لگے گا اور بغیر نور کے اس لائن کے علوم اور باریکیاں حاصل کر لینے سے پردے نہیں چھٹتے اور زندگی نہیں بدلتی۔

اس چیز کو کسی سے بیعت ہو کر باقاعدہ حاصل کیا جاتا ہے۔ مشائخ نے لکھا ہے کہ اگر چالیس روز شرائط کے ساتھ کوئی ذکر کی پابندی کرے تو اس میں انوار کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے اور دل سے نور کا چشمہ پھوٹنا شروع ہو جاتا ہے۔ وہ شرائط حضرت جنیدؒ کے طریقہ پر آٹھ

ہیں جو کہ "امداد السلوک" میں مذکور ہیں۔ اور مشائخ کے یہاں جو اجتماعی رمضان گذارا جاتا ہے، اس میں آسانی کے ساتھ ان آٹھوں شرائط پر عمل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس طرح کی اصلاح کے لئے جہاں جہاں رمضان مشائخ کی نگرانی میں گذرتے ہیں جہاں مناسبت ہو، سہولت ہو، وہاں شرکت کرنی چاہیئے۔ آجکل یہ شیخ کامل کی صحبت کا بہترین بدل ہے

دل میں نور پیدا ہو جانے کی علامت

اس نور کے حاصل ہو جانے اور شرح صدر ہو جانے کی تین علامتیں حدیثِ پاک میں آئی ہیں ۱۔ ہمیشہ رہنے والے گھر کی طرف راغب اور مائل ہونا ۲۔ دھوکہ کے گھر یعنی دنیا (کی لذائذ اور زینت) سے دور رہنا ۳۔ موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری کرنا۔

یہ نور جب حقیقی طور پر حاصل ہو جائے تو پھر دل سے جدا نہیں ہوتا اور ایمان سلامت رہتا ہے۔ اس کو تعلق یا نسبت کا حاصل ہونا بھی کہا جاتا ہے اس وقت انسان ہمیشہ اللہ کی یاد میں رہتا ہے۔ اس طرح ہر حال میں اللہ کی طاعت میں رہتا ہے، کبھی غلطی ہو جائے تو استغفار کرتا ہے۔

اگر یہ چیز پیدا نہ ہو اس لائن کا محض علم حاصل ہو یا صرف ذکر کی پابندی ہو تو سمجھنا چاہیئے کہ ابھی سلوک کی ابتداء صحیح نہیں ہوئی جس کے بعد وصول ہے۔ لیکن یہ ذکر کی پابندی فائدہ سے خالی نہیں کہ ثواب تو حاصل ہوگا ہی اور جب اللہ کو منظور ہوگا تو یہ دولت مقبول وصول بھی حاصل ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب کرے۔ واضح رہے کہ قبول مقصود ہے کیونکہ وصول کبھی غیر مقبول کو بھی ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل احقر کے رسالہ "محبت" میں ملاحظہ کریں۔

دل میں نور پیدا ہونے کے بعد کیا ہوگا؟

دل میں نور پیدا ہونے کے بعد و یقین و احسان حاصل ہونے کے بعد دنیا و آخرت

کی حقیقت کھل جانے کے بعد دینِ اسلام میں یہ نہیں کہ آدمی بال بچوں اور کاروبار کو چھوڑ کر تسبیح لیکر مسجد میں بیٹھ جائے بلکہ اس کی زندگی کے یہ سارے کام جاری رہیں گے۔ صرف دو خوشگوار تبدیلیاں ہوں گی۔ ایک تو اس کی زندگی کا مقصد بدلے گا کہ پہلے زندگی کے کام اپنی طبیعت کے تقاضوں کے تحت ہوتے تھے۔ اب ہر حرکت وسکون اللہ کی رضا کے لئے ہوگی یعنی زندگی کا مقصد (آیتِ شریفہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ کے مطابق) عبادت اور اللہ کی رضا ہوگا۔ اور زندگی گذارنے کا طرز شریعت یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم اور سنت کے مطابق ہوگا۔ یعنی وہ شخص معاشرت ومعیشت، عبادات، اخلاقیات سب میں سنت اور شریعت کے احکامات کا خیال کرے گا۔ جیسا کہ نماز روزہ عبادات میں عام لوگ اپنی مرضی سے عمل نہیں کرتے بلکہ مسئلہ پوچھ کر عمل کرتے ہیں لیکن معاشرت اور معیشت میں آزاد رہتے ہیں۔ جبکہ یہ نور والا شخص معاشرت ومعیشت میں بھی جائز، ناجائز، حلال وحرام کا خیال کرے گا۔ اور اس کے یہ سارے دنیوی کام عبادت کے حکم میں ہوجائیں گے۔ اور ان کا شمار اعمال صالحہ میں ہوگا۔

یہاں ایک بات پر تنبیہ ضروری ہے جس میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے اس زمانہ میں بہت سے فتنے پیدا ہو رہے ہیں۔ وہ یہ کہ ایک تو اصل عبادت ہے، اور ایک کسی چیز کا عبادت کے حکم میں ہونا ہے۔ جیسے خرید وفروخت اور دیگر دنیوی معاملات۔ اگر ان میں نیت درست کرلی جائے اور ان میں جو معاشرت ومعیشت کے شرعی احکام ہیں، مثلاً سود نہ ہو، جھوٹ اور دھوکہ نہ ہو، بیع فاسد، بیع باطل نہ ہو، کسی کی حق تلفی اور دل آزاری وغیرہ نہ ہو تو یہی دنیوی معاملات عبادت کے حکم میں ہوجائیں گے۔ یعنی اس پر عبادت کا ثواب ملے گا۔

یہ نور والا شخص اپنی ہر حرکت وسکون شریعت کی میزان کے مطابق بنائے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی دنیا وآخرت کی زندگی خوشگوار اور پاکیزہ بن جائے گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ

کا ارشاد ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً (ترجمہ) جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحبِ ایمان ہو تو ہم اس شخص کو بالطف زندگی دیں گے۔

ایسے شخص کو دوسری بات یہ حاصل ہوگی کہ اس کو وہ محبوبیّت عامہ نصیب ہو گی کہ بغیر تعلق کے نیک لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا ہو جائے گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (ترجمہ) بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے (خدائے) رحمٰن ان کے لئے محبت پیدا کر دے گا۔

ایسے شخص کو تیسری چیز یہ حاصل ہوگی کہ اس کے دنیاوی کاموں میں آسانیاں پیدا ہوں گی۔ قلبی لحاظ سے اس کو سکون ہوگا۔ اگرچہ دنیا کی کدورتیں اور تکلیفیں اس کو بھی پیش آئیں گی۔ لیکن اس کے قلب میں اطمینان رہے گا کیونکہ وہ حقیقی ذکر اللہ میں ہوگا۔ یا حکمی ذکر میں۔ یعنی اپنی ہر حرکت و سکون میں اللہ کی رضا کا دھیان رکھے گا۔ اس طرح اس کو ہر وقت اللہ کی یاد نصیب ہوگی جو کہ اعلیٰ درجہ کا ذکر ہے۔ اس لئے ہر حال میں اس کے دل میں سکون و اطمینان ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (ترجمہ) خوب سمجھ لو۔ اللہ کی یاد ہی سے چین پاتے ہیں دل۔

جب کہ ظلمانی قلب والا ظاہر اور باطن دونوں طرح سے پریشان ہوگا۔ اور آخرت کے اچھے ہونے کی بھی اسے کوئی امید نہ ہوگی۔ نور والے لوگ اور صاحب نسبت لوگ اگرچہ دنیا میں تھوڑے ہیں لیکن نایید نہیں۔ اور ان کی خوشگوار زندگیاں اور محبوبیت ظاہر ہے — اور ظلمت والے اور جن کے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ وہ چاہے عبادت بھی کرتے ہوں اور ایمان بھی رکھتے ہوں، ان کی پریشان زندگیاں بھی ظاہر ہیں نورانی قلب والا اگرچہ ملازمت، صنعت، حرفت، تجارت کرتا ہو تب بھی اس کی زندگی

چیزیں نفس کے خلاف کرنا پڑتی ہیں، جو طبیعت کو گوارا نہیں۔ دل میں نور آنے کے بعد طبیعت اچھی چیزوں کو خود چاہے گی اور بری چیزوں سے خود نفرت ہوگی۔

راقم الحروف عرصے سے بیمار ہے۔ مزید زندگی کی امید کم ہے۔ ناظرین سے مغفرتِ کاملہ و حسنِ خاتمہ کی دُعا کی درخواست ہے۔ اور جو زندگی باقی ہو اس میں صحت کے ساتھ عمل کی توفیق ہو۔

سیہ دل سیہ کار گو میں ہوں لیکن — فدائی ہوں اللہ کے عاشقوں کا
یہ امید رکھتا ہوں لطف ازل سے — کہ اس دل میں پرتو پڑے صادقوں کا

رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ
وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ
اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ

محمد اقبال

۲۴ر ربیع الثانی سنہ ۱۴۱۸ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فکرِ عقبیٰ

فکرِ دُنیا کر کے دیکھا — فکرِ عُقبیٰ کر کے دیکھ
چھوڑ کر اب ذکرِ سارے — ذکرِ مولیٰ کر کے دیکھ
حُبِّ جاہ و حبِّ مال — زَر سے کر کے اجتناب
شمعِ عرفاں سے منوّر — قلب اپنا کر کے دیکھ
قَلب تیرا ہو گا روشن — معرفت کے نُور سے
کچھ ذرا محنت مُشقّت — زاہدانہ کر کے دیکھ
کون کس کے کام آیا — کون کس کا ہے ہوا
سب کو اپنا کر کے دیکھا — ربّ کو اپنا کر کے دیکھ

از قلم :- حضرت اقدس مولانا محمد منظور رضا صاحب استاذ الحدیث
جامعہ خیر المدارس ملتان
خلیفہ مجاز حضرت اقدس صوفی محمد اقبال صاحب مدنی دامت برکاتہم